مولانا قاضی اطہر مبارک پوری

فقہ اسلامی کی تدوین و ترویج

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی حیات طیبہ میں شرعی احکام کا دار و مدار کتاب اللہ یعنی قرآن اور سنّت رسول اللہ یعنی حدیث کی صورت میں وحی الٰہی کے تازہ ارشادات و ہدایات پر تھا۔ اور دینی مسائل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار و اقوال کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار و اقوال سے بھی کام لیا جاتا تھا۔ خصوصاً عہد رسالت میں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم دینی امور و معاملات میں مشورہ اور فتویٰ دیا کرتے تھے۔

فقہائے صحابہؓ | رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے وصال اور وحی الٰہی کے انقطاع کے بعد شرعی مسائل و حوادث میں کتاب و سنت کے بعد صحابہ کرام مرجع تھے۔ اور نئے مسائل میں ان صحابہ کے آثار و اقوال معتبر مانے گئے۔ جو دینی علم میں نمایاں مقام رکھتے تھے۔ اور ان اصحاب فتویٰ کے مشورہ سے اہم مسائل طے ہوتے تھے۔ بالفاظ دیگر خلافت راشدہ میں "اجماع امت" کی تشکیل شروع ہو گئی۔ اور اس دور کے اہل علم صحابہ کی رائیں معتبر مانی جانے لگیں۔ صحابہ کرام میں وہی حضرات دینی مسائل میں معتبر مانے گئے۔ جو قرآن کے عالم تھے جنہوں نے قرآن کو لکھا۔ اور حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھا۔ اور اس کے معنی و مفہوم اور ناسخ و منسوخ وغیرہ کو سمجھا۔ خلفائے راشدین کے زمانہ میں ایسے اہل علم صحابہ "قُرّا" کے لقب سے مشہور رہے۔ یہ لقب عالم کو غیر عالم سے ممتاز کرتا تھا۔

صحابہ کرام میں اصحاب فتویٰ تقریباً ایک سو تیس افراد تھے۔ جن میں مرد اور عورتیں دونوں صنف شامل تھیں ان میں فتویٰ کے اعتبار سے سات صحابہ مکثّرین ہیں۔ یعنی ان کے فتاوے بہت کثرت سے ہیں۔ ان کے اسمائے گرامی مندرجہ ذیل ہیں:-

۱۔ حضرت عمر بن خطاب۔ ۲۔ حضرت علی بن ابی طالب۔ ۳۔ حضرت عبداللہ بن مسعود۔ ۴۔ ام المومنین حضرت عائشہ ۵۔ حضرت زید بن ثابت۔ ۶۔ حضرت عبداللہ بن عباس۔ ۷۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم۔ ان حضرات کے فتاوے اس کثرت سے ہیں کہ اگر ان کو جمع کیا جائے تو ہر صحابی کے مسائل و فتاوے کئی کئی ضخیم جلدوں میں تیار ہو جائیں۔

ابوبکر محمد بن موسیٰ نے حضرت عبداللہ بن عباس کے فتاوے بیس جلدوں میں جمع کئے تھے۔

اور تیرہ حضرات "متوسطین" میں یہ:۔

۱۔حضرت ابوبکر صدیق۔ ۲۔ام المومنین حضرت ام سلمہ۔ ۳۔حضرت انس بن مالک۔ ۴۔حضرت ابوسعید خدری۔ ۵۔حضرت ابوہریرہ۔ ۶۔حضرت عثمان بن عفان۔ ۷۔حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص۔ ۸۔حضرت عبداللہ بن زبیر۔ ۹۔حضرت ابوموسیٰ اشعری۔ ۱۰۔حضرت سعد بن ابی وقاص۔ ۱۱۔حضرت سلمان فارسی۔ ۱۲۔حضرت جابر بن عبداللہ۔ ۱۳۔حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم۔ ان حضرات کے اگر فتاوے جمع کئے جائیں تو ان کی چھوٹی چھوٹی جلدیں بن سکتی ہیں۔ ان ہی میں یہ حضرات بھی شامل کئے جا سکتے ہیں۔

۱۔حضرت طلحہ۔ ۲۔حضرت زبیر۔ ۳۔حضرت عبدالرحمن بن عوف۔ ۴۔حضرت عمران بن حصین۔ ۵۔حضرت ابوبکرہ۔ ۶۔حضرت عبادہ بن صامت۔ ۷۔حضرت معاویہ بن ابی سفیان۔ ان حضرات کے فتاوے بھی جمع کئے جائیں تو مختصر مجموعے تیار ہو سکتے ہیں۔ ان کے علاوہ باقی حضرات اصحاب فتویٰ "مقلین" ہیں۔ یعنی ان میں سے ہر ایک سے چند فتاوے منقول ہیں۔ جن کو تلاش و تحقیق کے بعد مختصر مجموعہ کی صورت میں مدوّن کیا جا سکتا ہے۔

فقہائے تابعین و تبع تابعین | اس کے بعد امام ابن قیمؒ نے اعلام الموقعین میں تفصیل سے بتایا ہے کہ عہد صحابہ کے بعد عہد تابعین میں کس شہر میں کون کون حضرات اصحاب فتویٰ تھے۔ ان کا خلاصہ درج ذیل ہے:۔

مدینہ منورہ میں | یہ فقہائے سلسلہ دینی مسائل میں مرجع تھے اور ان کے فتاوے مستند و معتبر مانے جاتے تھے۔

۱۔سعید بن مسیب۔ ۲۔عروہ بن زبیر۔ ۳۔قاسم بن محمد۔ ۴۔خارجہ بن زید۔ ۵۔ابوبکر بن عبدالرحمن بن حارث ۶۔سلیمان بن یسار۔ ۷۔عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ رحمۃ اللہ علیہم۔ نیز ان کے معاصرین میں یہ حضرات فتویٰ میں مشہور تھے۔ ابان بن عثمان بن عفان۔ سالم۔ نافع۔ ابوسلمہ بن عبدالرحمن بن عوف۔ علی بن حسین زین العابدین۔ ان حضرات کے بعد مدینہ منورہ میں اصحاب فتویٰ یہ حضرات تھے۔ ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم۔ محمد بن ابوبکر بن محمد۔ عبداللہ بن عمر بن عثمان۔ محمد بن عبداللہ بن عمر بن عثمان۔ عبداللہ بن محمد بن حنفیہ۔ جعفر بن محمد بن علی۔ عبدالرحمن بن قاسم بن محمد بن ابوبکر۔ محمد بن منکدر۔ محمد بن شہاب زہری۔ محمد بن الفرج نے امام زہری کے فتاوے فقہی ترتیب و ابواب پر تین ضخیم اسفار میں جمع کئے تھے۔ ان حضرات کے معاصرین میں مدینہ منورہ میں اور بھی اصحاب فتوے تھے۔

مکہ مکرمہ میں | اہل فقہ و فتویٰ میں یہ حضرات معتبر و مستند تھے۔ عطاء بن ابی رباح، مجاہد بن جبر، عبید بن عمیر، عمرو بن دینار، عبداللہ بن ابی ملیکہ، عبدالرحمن بن سابط، عکرمہ مولیٰ ابن عباس رحمہم اللہ۔ ان کے بعد ابوالزبیر مکی، عبداللہ بن خالد بن اسید، عبداللہ بن طاؤس۔ ان کے بعد عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج، سفیان بن عیینہ ان کے بعد مسلم بن خالد زنجی، سعید بن سالم القداح رحمہم اللہ مکہ مکرمہ میں فقہ و فتویٰ میں مرجع تھے۔ ان کے امام بن

محمد ادریس شافعی اور عبداللہ بن زبیر حمیری وغیرہ تھے۔

بصرہ میں | یہاں کے اصحاب فقہ و فتویٰ میں یہ حضرات مشہور تھے۔ عمرو بن سلمہ جرمی۔ ابو حریم حنفی۔ کعب بن اسود حسن بصری۔ ابو الشعثاء جابر بن زید۔ محمد بن سیرین۔ ابو قلابہ عبداللہ بن زید جرمی۔ مسلم بن یسار۔ ابو العالیہ حمید بن عبدالرحمٰن۔ مطرف بن عبداللہ الشخیر، زرارہ بن ابی اوفی۔ ابو بردہ بن ابو موسیٰ اشعری۔ ان میں امام حسن بصری نے پانچ سو صحابہ رضی اللہ عنہم سے فیض پایا تھا۔ بعض علماء نے ان کے فتاوے سات ضخیم اسفار میں جمع کئے تھے۔

اس طبقہ کے بعد بصرہ میں ایوب بن کیسان سختیانی، سلیمان تیمی، عبداللہ بن عون۔ یونس بن عبید۔ قاسم بن ربیعہ خالد بن ابی عمران، اشعث بن عبدالملک حمرانی۔ قتادہ۔ حفص بن سلیمان۔ قاضی ایاس بن معاویہ اہل فقہ و فتویٰ تھے۔ ان کے بعد ان کے تلامذہ اور منتسبین کا سلسلہ قائم رہا۔

کوفہ میں | اصحاب فتویٰ اور مفتیین میں یہاں کے یہ حضرات مستند و مرجع تھے۔ علقمہ بن قیس نخعی۔ اسود بن یزید نخعی۔ عمرو بن شرجلیل ہمدانی۔ مسروق بن اجدع ہمدانی۔ عبیدہ سلمانی۔ قاضی شریح بن حارث۔ سلیمان بن ربیعہ باہلی۔ زید بن صوحان۔ سوید بن غفلہ۔ حارث بن قیس جعفی۔ عبدالرحمٰن بن یزید نخعی۔ عبداللہ بن عتبہ بن مسعود۔ خثیمہ بن عبدالرحمٰن۔ سلمہ بن صہیب۔ مالک بن عامر۔ عبداللہ بن سنجرہ۔ زر بن حبیش۔ خلاس بن عمرو۔ عمرو بن میمون اودی۔ ہمام بن حارث۔ حارث بن سوید۔ یزید بن معاویہ نخعی۔ ربیع بن خثیم۔ عتبہ بن فرقد۔ صلہ بن زفر۔ شریک بن حنبل۔ ابو وائل شقیق بن سلمہ۔ عبید بن نضلہ۔

کوفہ کے یہ وہ مجتہدین و مفتیین ہیں جن کا شمار اکابر تابعین میں ہوتا ہے۔ اور جو حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کے خاص شاگردوں میں ہیں۔ لوگ ان سے استفتاء کرتے تھے اور وہ اکابر صحابہ کی موجودگی میں فتویٰ دیا کرتے تھے۔ اور صحابہ ان کو اجازت دیتے تھے۔ ان میں سے اکثر حضرات نے حضرت عمرؓ، حضرت عائشہؓ اور حضرت علیؓ سے علم حاصل کیا تھا۔ عمرو بن میمون اودی حضرت معاذ بن جبلؓ سے خصوصی تلمذ رکھتے تھے۔ حضرت معاذ بن جبل نے وفات کے وقت ان کو وصیت کی تھی کہ وہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی صحبت میں رہ کر ان سے علم دین حاصل کریں۔ چنانچہ عمرو بن میمون اودی نے اس پر عمل کیا۔

فقہائے کوفہ کی اس فہرست میں یہ حضرات بھی قابل شمار ہیں۔ ابو عبیدہ بن عبداللہ بن مسعود۔ عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن مسعود۔ عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ (انہوں نے ایک سو بیس صحابہ سے علم حاصل کیا تھا) میسرہ، زاذان اور ضحاک۔

اس طبقہ کے بعد ابراہیم نخعی، عامر شعبی، سعید بن جبیر۔ قاسم بن عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن مسعود۔ ابوبکر بن ابی موسیٰ۔ محارب بن دثار۔ حکم بن عتیبہ۔ جبلہ بن سحیم تلمیذ ابن عمر اہل فقہ و فتویٰ تھے۔ ان کے بعد حماد بن ابی سلیمان، سلیمان بن معتمر۔ سلیمان الاعمش۔ مسعر بن کدام کا درجہ ہے۔ پھر مذکورہ بالا حضرات کے سلسلہ تلمذ میں محمد بن

عبدالرحمٰن ابی لیلیٰ۔ عبداللہ ابن شبرمہ۔ سعید بن اشوع۔ قاضی شریک۔ قاسم بن معن۔ سفیان ثوری۔ امام ابوحنیفہ حسن بن صالح ہیں۔

ان کے بعد کے فقہا میں حفص بن غیاث۔ وکیع بن جراح اور امام ابوحنیفہ کے تلامذہ میں قاضی ابویوسف محمد بن حسن۔ زفر بن ہذیل۔ حماد بن ابی حنیفہ۔ حسن بن زیاد لولوی۔ قاضی عافیہ۔ اسد بن عمرو۔ قاضی نوح بن دراج۔ اور امام سفیان ثوری کے تلامذہ میں اشجعی معافی بن عمران۔ یحییٰ بن آدم وغیرہ ہیں۔

شام میں | ملک شام کے تابعین میں یہ حضرات اصحاب فقہ و فتویٰ تھے۔ اور دینی مسائل و حوادث میں ان کے فتاوے معتبر مانے جاتے تھے۔ ابوادریس خولانی۔ شرحبیل بن سمط۔ عبداللہ بن ابی زکریا خزاعی۔ قبیصہ بن ذویب خزاعی۔ حبان بن امیہ۔ سلیمان بن حبیب محاربی۔ حارث بن عمیرہ زبیدی۔ خالد بن معدان۔ عبدالرحمٰن بن غنم اشعری۔ اور جبیر بن نفیر۔

ان کے بعد عبدالرحمٰن بن جبیر بن نفیر۔ مکحول۔ عمر بن عبدالعزیز۔ رجاء بن حیوہ۔ حدیر بن کریب تھے اور اسی طبقہ مفتیین میں خلیفہ ہونے سے پہلے عبدالملک بن مروان کا بھی شمار تھا۔

اس کے بعد قاضی یحییٰ بن حمزہ۔ ابوعمرو عبدالرحمٰن بن اوزاعی۔ اسمٰعیل بن ابی مہاجر۔ سلیمان بن موسیٰ اموی۔ سعید بن عبدالعزیز شام کے اہل فتویٰ تھے۔ پھر مخلد بن حسین۔ ولید بن مسلم۔ عباس بن یزید تلمیذ امام اوزاعی۔ شعیب ابن اسحاق تلمیذ امام ابوحنیفہ اور ابواسحاق فزاری تلمیذ امام عبداللہ بن مبارک رحمہم اللہ تھے۔

مصر میں | اہل مصر مسائل و حوادث میں ان بزرگوں کے فتاوے پر عمل کرتے تھے۔ یزید بن ابی حبیب۔ بکیر بن عبداللہ بن اشج۔ عمرو بن حارث (جن کے بارے میں ابن وہب کا قول ہے کہ اگر عمرو بن حارث ہمارے درمیان زیادہ دنوں تک زندہ رہتے تو ہم امام مالک وغیرہ کے محتاج نہ ہوتے) لیث بن سعد، عبیداللہ بن ابی جعفر۔ اس طبقہ کے بعد امام مالک کے تلامذہ میں عبداللہ بن وہب۔ عثمان بن کنانہ۔ ابن قاسم اور امام شافعی کے تلامذہ میں عبداللہ بن وہب۔ عثمان بن کنانہ۔ ابن قاسم اور امام شافعی کے تلامذہ میں مزنی۔ بویطی۔ ابن عبدالحکم مصر کے اصحاب فقہ و فتویٰ ہوئے۔

اسی طرح اس دور میں یمن، قیروان، اندلس اور بغداد وغیرہ میں حضرات مجتہدین و مفتیین کی جماعت مسلمانوں کے دینی مسائل و حوادث میں مرجع تھی۔ تفصیل امام ابن قیم کی کتاب اعلام الموقعین میں موجود ہے۔

اصحاب الحدیث اور اصحاب الفقہ | خلافت راشدہ کے بعد علمائے دین کے لئے "قراء" کے بجائے دو نئے لقب پیدا ہوئے صورت یہ ہوئی کہ بہت سے صحابہ احادیث کی کتابت اور سند و متن پر خاص توجہ رکھتے تھے اور یہ صحابہ اور ان کے اصحاب و تلامیذ احادیث کے الفاظ و معانی کی طرف زیادہ راغب ہوئے۔ ان کو اہل حدیث کے خطاب سے یاد کیا جانے لگا۔ ان علماء کا مرکز حجاز کے دو شہر یعنی مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ تھے۔ اور بہت سے صحابہ قرآن کے مقابلے میں

احادیث کی کتابت مناسب نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ ان کو زبانی یاد کر کے الفاظ سے قطع نظر ان کے معانی ومفاہیم پر زیادہ توجہ دیتے تھے۔ ان حضرات کے شاگردوں نے ان کا اتباع کیا۔ چونکہ یہ لوگ حدیث کے ظاہری الفاظ سے زیادہ اس کے منشار ومفہوم کا لحاظ کرتے تھے اور نئے مسائل میں دوسرے شرعی دلائل سے بھی مدد لیتے تھے۔ اس لئے ان کو اہل الرائے یا اہل الفقہ کہا گیا۔ ان کا مرکز عراق کا شہر کوفہ تھا۔

اوپر ہم نے جن بلاد وامصار کے اصحاب فقہ وفتوی کا ذکر کیا ہے ان میں اصحاب حدیث بھی بڑی تعداد میں اپنے اصول کے مطابق دینی مسائل وحوادث میں فتوی صادر کرتے تھے اس وقت اس کی تفصیل ہمارے موضوع سے خارج ہے ان ہی فقہا ومحدثین کے تلامذہ نے آگے چل کر دنیا میں کتاب وسنت اور فقہ وفتوی کو عام کیا۔

فقہ کی تدوین | حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ کے دور خلافت (۹۹ تا ۱۰۱ھ) میں ان کی عنایت وتوجہ سے احادیث وآثار کے جمع وتدوین کا باقاعدہ اہتمام ہوا۔ اور صحابہ کرام کے احادیث کے صحیفوں اور کراسوں کی جگہ کتابوں کا رواج ہوا۔ اس طرح اموی دور میں تدوین وتالیف کا سلسلہ جاری ہوا۔ اور عباسی دور کی ابتدا سے مختلف علوم کی طرف زیادہ توجہ ہوئی۔ عام لوگوں میں علمی رجحان بڑھا۔ عربی زبان میں نئے نئے علوم وفنون منتقل ہونے لگے۔ اس وقت پورے عالم اسلام میں علمائے تابعین اور ان کے شاگرد پھیلے ہوئے تھے۔ اور ہر طرف دینی علوم کا چرچا تھا۔ اس لئے دینی علوم کو آگے بڑھنے کا خوب موقع ملا۔ اور احادیث وآثار فقہی ترتیب پر کتابی شکل میں مدون ہوئے۔ چنانچہ دوسری صدی کے نصف (۱۴۰ تا ۱۵۰ھ) میں مختلف ممالک میں وہاں کے ائمہ علم نے کتابیں لکھیں جن کی مختصر تفصیل یہ ہے۔ ۱۔ مدینہ منورہ میں امام مالک ۲۔ مکہ مکرمہ میں ابن جریج ۳۔ بصرہ میں ربیع بن صبیح ۴۔ کوفہ میں سفیان ثوری ۵۔ شام میں اوزاعی ۶۔ واسط میں ہشیم ۷۔ یمن میں معمر ۸۔ رے میں جریر بن عبد الحمید ۹۔ خراسان میں عبد اللہ بن مبارک۔ یہ تمام ائمہ دین ایک وقت میں موجود تھے۔ اور انہوں نے اپنی کتابیں ۱۴۰ھ کے بعد لکھیں۔ اس لئے یہ معلوم نہیں ہے کہ کس عالم نے تدوین وتالیف کی ابتدا کی جیسا کہ ہدیۃ الساری مقدمہ فتح الباری میں ہے۔

یہ تو اس زمانہ میں اصحاب حدیث کی فقہی ترتیب پر دینی خدمات تھیں۔ اسی زمانہ میں اہل فقہ کے مرکز کوفہ میں فقہ وفتوی کی باقاعدہ تدوین شروع ہوئی۔ امام ابو حنیفہؒ اور ان کے تلامذہ امام محمدؒ، امام ابو یوسف، امام زفر وغیرہ نے مل کر اس کو مدون کر کے دنیا میں پہلی بار فقہ اسلامی کو مستقل فن کی حیثیت سے پیش کیا۔ ان حضرات نے قرآن، حدیث، قیاس اور اجماع سے فقہی مسائل وفتاوے فنی حیثیت سے مدون کر کے تقریباً پانچ لاکھ مسائل کو ایک جگہ منضبط کیا۔ اسی لیے امام شافعی فرماتے ہیں کہ لوگ فقہ میں ابو حنیفہ کے عیال ہیں یعنی ان کے متبع ہیں۔ اور [illegible] صیمری نے "اخبار ابی واصحابہ" میں امام شافعی کا قول اس طرح نقل کیا ہے۔ تمام لوگ فقہ میں اہل عراق کے عیال ہیں اور تمام اہل عراق اہل کوفہ کے عیال ہیں۔ اور تمام اہل کوفہ ابو حنیفہ کے عیال ہیں۔

نیز فقہی فروعات اور مسائل کی طرح اصول فقہ کی تدوین سب سے پہلے امام ابوحنیفہ اور ان کے تلامذہ نے کی ہے۔

الغرض دوسری صدی کے وسط میں فقہا و محدثین بالفاظ دیگر اہل الحدیث اور اہل الرائے نے اپنے اپنے اصول و قواعد کی روشنی میں مسائل کے استنباط و تدوین کی خدمت انجام دی۔ اس کے بعد دونوں گروہ کے تلامذہ اور متبعین نے اپنے پیش روؤں کے نقش قدم پر چل کر حدیث و فقہ کو مدون کیا۔ یہاں پر یہ جاننا ضروری ہے کہ محدثین کرام اجتہاد اور قیاس کے مخالف و منکر نہ تھے۔ البتہ وہ احادیث پر زیادہ توجہ دیتے تھے اور حتی الوسع حدیث کے ظاہری معنی و مفہوم پر عمل کی کوشش کرتے تھے۔ اسی طرح فقہائے عظام احادیث و آثار کے مخالف و منکر نہ تھے بلکہ وہ بھی قرآن و حدیث سے مسائل کا استنباط کرتے تھے۔ البتہ تمام اصول و فروع کا لحاظ کر کے احتیاطی راہ اختیار کرتے تھے اور قرآن و حدیث کے منشاء و مفہوم پر زیادہ زور دیتے تھے۔

فقہ کے چار مکاتب | گذشتہ بیان سے معلوم ہو چلا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ میں دینی احکام کا دارومدار وحی الٰہی اور آپ کے قول و عمل پر تھا نیز اس عہد میں چند صحابہ اہل فتوی تھے اس کے بعد صحابہ اور تابعین کے دور میں علوم شرعیہ کے حاملین حجاز۔ شام۔ مصر۔ عراق اور دیگر مرکزی مقامات میں بٹ گئے اور ان حضرات کے اصول روایت و درایت ایک دوسرے سے کچھ نہ کچھ مختلف تھے۔ ان علمائے حجاز حدیث کے متون واسناد میں مشہور و معتبر تھے۔ ان کے سلسلۂ تلمذ میں بڑے بڑے ائمہ حدیث پیدا ہوئے۔ ان کے سرخیل حضرت امام مالک بن انسؒ (متوفی ۱۷۹ھ) ہیں۔ جنہوں نے مدینہ منورہ میں سب سے پہلے اپنی کتاب موطا کو فقہی ترتیب اور ابواب پر اس طرح مرتب کیا کہ یہ کتاب گویا اس طبقہ کی ترجمان بن گئی۔ اس کے مقابلے میں علماء عراق احادیث کی روایت میں بڑی شدت سے کام لیتے تھے۔ بلکہ غایت احتیاط و تحری کی وجہ سے فتوی میں قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے خود اپنی طرف نسبت کرتے تھے۔ تاکہ روایت میں زیادہ سے زیادہ احتیاط ہو سکے۔ اور کوئی ایسی بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب نہ ہو جسے آپ نے نہیں فرمایا یا نہیں کیا۔ اس جماعت کے سرخیل حضرت امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت (متوفی ۱۵۰ھ) ہیں جنہوں نے اپنے تلامذہ کو لے کر فقہ اور اصول فقہ کو باقاعدہ مرتب کیا۔

ان دونوں اماموں کے بعد علمائے حجاز کے طبقہ میں حضرت امام محمد بن ادریس شافعیؒ متوفی ۲۰۴ھ ہیں۔ جنہوں نے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے ائمہ حدیث سے علوم حاصل کیے۔ اسی کے ساتھ امام ابوحنیفہؒ کے تلامذہ سے تحصیل علم کی۔ خصوصیت کے ساتھ امام محمد بن حسن شیبانی سے بہت زیادہ پڑھا۔ چونکہ امام شافعیؒ نے علوم دینیہ کے دونوں مرکزوں یعنی حجاز اور عراق سے کسب علم کیا تھا اور دونوں مکاتب حدیث و فقہ کے اصول اور فکر و نظر سے واقف تھے۔ اس لئے اہل حجاز اور اہل عراق کے طرز تفقّہ میں ایک درمیانی راہ پیدا کی۔ اور ایسی فقہ ترتیب دی جس میں حدیث اور رائے کا توازن برقرار رکھا۔ اس درمیانی راہ میں امام شافعیؒ نے اکثر مسائل میں اہل حجاز کے سرخیل

اور اپنے استاد امام مالکؒ سے اختلاف کیا۔ اور اپنا جداگانہ مسلک قائم کیا۔ امام شافعیؒ کے بعد بغداد میں امام احمد بن حنبل شیبانیؒ (متوفی ۲۴۱ھ) نے اہل حجاز کے علمی سلسلہ کے ساتھ وابستگی رکھ کر اپنے مسلک اور فقہ کو رائج کیا۔ جس کی بنیاد زیادہ تر حدیث کے ظاہری الفاظ و معانی پر رکھی۔ مگر اس میں اتنا غلو نہ تھا۔ جتنا کہ امام داؤد ظاہری رحمۃ اللہ علیہ نے کیا تھا۔ امام احمد بن حنبل کے فقہی فتاوے اگر جمع کئے جائیں تو تیس ضخیم جلدوں تک پہنچ سکتے ہیں۔ ان کے تلمیذ رشید خلّال نے الجامع الکبیر میں ان کے فتاوے اور نصوص جمع کئے ہیں۔ جو بیس بلکہ اس سے زائد اسفار پر مشتمل ہیں جیسا کہ امام ابن قیم نے اعلام الموقعین میں تصریح کی ہے۔

ان مذاہب اربعہ سے پہلے صحابہ کرام کے فتاوے اور اقوال مرجع تھے۔ پھر تابعین اور تبع تابعین نے اپنے اپنے شہروں میں اپنے یہاں کے اہل فتویٰ صحابہ کی پیروی کی۔ بعد میں ہر شہر کے باشندوں نے مقامی مفتی و فقیہ کا اتباع کیا۔ نیز ایک مقام کے فتاوے دوسرے شہروں اور ملکوں میں پہنچے۔ اس طرح ان چاروں فقہ سے پہلے عالم اسلام میں دوسرے کئی فقہا کی فقہیں رائج تھیں اور عوام ان پر عمل کرتے تھے۔ چنانچہ امام سفیان ثوری (متوفی ۱۶۱ھ) امام حسن بصری (متوفی ۱۱۰ھ) اور امام اوزاعی (متوفی ۱۵۷ھ) کے فقہی مذاہب پر عمل تھا۔ مگر یہ تینوں مسلک تیسری صدی کے آخر تک معمول بہ رہ کر ختم ہو گئے۔ اسی طرح امام ابو ثور (متوفی ۲۴۰ھ) کا مسلک تیسری صدی تک رائج رہنے کے بعد ختم ہو گیا۔ البتہ امام داؤد ظاہری (متوفی ۲۷۰ھ) کا ظاہری مسلک زیادہ مدت تک چلا۔ علامہ ابن خلدون نے مقدمہ میں لکھا ہے کہ یہ مذہب آٹھویں صدی تک دنیا میں جاری رہا۔ ظاہری مسلک کے ائمہ و علماء حدیث کا مطلب اس کے ظاہری الفاظ کے مطابق بیان کرتے تھے اور اس میں کسی قسم کے اجتہاد اور قیاس کو دخیل نہیں مانتے تھے۔

بہرحال یہ تمام فقہیں اپنے اپنے وقت میں ختم ہو گئیں۔ اور اہلسنت والجماعت کے دینی مسائل ائمہ اربعہ کے چاروں مذاہب میں منحصر ہو گئے۔ اور چونکہ ایک مسئلہ میں ایک ہی مسلک کی پیروی کی جا سکتی ہے اس لئے علمائے اہلسنت نے طے کر دیا کہ عام مسلمانوں کو ان چاروں فقہوں میں سے کسی ایک فقہ کو مان لینا چاہیے تاکہ فروعی مسائل اور وقتی حوادث میں ذاتی مصالح کا سدّباب ہو سکے۔ اہل سنّت والجماعت کے ان چار مذاہب کے علاوہ مسلمانوں میں بعض اور فقہیں بھی رائج ہیں جیسے فقہ جعفری۔ فقہ خارجی اور فقہ زیدی۔ ان کا تعلق شیعہ، خوارج اور زیدیہ سے ہے اس لئے ان کا ذکر ہمارے موضوع سے باہر ہے۔

خوب سمجھ لینا چاہیے کہ ان فقہا اور ان فقہوں کے ماننے اور ان پر عمل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ فروعی مسائل اور وقتی حوادث میں ان کی تفریعات و تصریحات کو تسلیم کرتے ہیں۔ ورنہ ہم کتاب اللہ اور سنّت رسول اللہؐ ہی کو اصل ایمان قرار دیتے ہیں۔ اور ان ہی کی روشنی میں صحابہ کرام، تابعین عظام اور علمائے اسلام کا اتباع کر کے فروعات میں ان کے آرا پر عمل کرتے ہیں۔

ائمہ اربعہ کے فقہی اصول جیسا کہ معلوم ہوا ابتدا میں بہت سے بزرگوں نے اپنے اپنے طریقہ پر فقہ کو مرتب کیا اور اس پر عمل بھی رہا مگر رفتہ رفتہ اکثر فقہیں ختم ہوگئیں۔ صرف چار فقہیں باقی رہ گئیں۔ اور ان میں جو باہمی اختلاف پائے جاتے ہیں وہ بالکل قدرتی ہیں۔ فقہ کے چاروں مکاتب نے مسائل کے استخراج اور تفریع میں اپنے اپنے اصول کو پیشِ نظر رکھا جس سے ان کی فہم و تحقیق میں کچھ اختلاف رہا۔ اسی لئے چاروں مذاہب میں تھوڑا تھوڑا فرق ہو گیا۔

امام ابوحنیفہ کے استنباط و استخراج کے اصول خود آپ کی زبانی یوں منقول ہیں :-

میں شرعی احکام کے استنباط میں پہلے کتاب اللہ میں غور کرتا ہوں۔ جب اس میں کوئی حکم نہیں پاتا تو سنت رسول اللہ اور ان آثار میں غور کرتا ہوں جو ثقہ راویوں سے ملتے ہیں۔ اگر سنت رسول اللہ میں بھی کامیابی نہیں ہوتی تو حضرات صحابہ میں سے جس صحابی کا قول چاہتا ہوں لے لیتا ہوں اور جس صحابی کا قول چاہتا ہوں چھوڑ دیتا ہوں۔ جب تک قرآن میں کوئی حکم ملتا ہے حدیث کی طرف نہیں آتا۔ اور جب تک حدیث میں کوئی حکم ملتا ہے۔ صحابہ کے قول کی طرف نہیں آتا۔ اور جب تک صحابہ کے اقوال میں کوئی حکم ملتا ہے آگے نہیں بڑھتا۔ لیکن جب معاملہ ابراہیم نخعی، عامر شعبی، حسن بصری، ابن سیرین اور سعید بن مسیب وغیرہ تک پہنچتا ہے تو پھر میں بھی ان ہی کی طرح اجتہاد سے کام لیتا ہوں۔

امام مالک اپنے فقہی اصول کی رو سے پہلے کتاب اللہ کو لیتے ہیں پھر سنت رسول اللہ میں سے جو حدیث ان کے نزدیک صحیح ثابت ہوتی ہے اسے لیتے ہیں۔ اس سلسلہ میں اہلِ حجاز کے محدثین کبار پر زیادہ اعتماد کرتے ہیں۔ نیز اہل مدینہ کے تعامل کو بڑی اہمیت دیتے ہیں خصوصاً وہاں کے اہل علم کے تعامل کو حتیٰ کہ بعض اوقات حدیث کو اس لئے چھوڑ دیتے ہیں کہ اس پر اہل مدینہ کا عمل نہیں ہے۔

امام شافعی قرآن کے ظواہر کو اس وقت تک حجت مانتے ہیں جب تک یہ دلیل نہ مل جائے کہ یہاں یہ ظاہری معنی مراد نہیں ہے۔ پھر سنت رسول اللہ سے استدلال کرتے ہیں اور اس میں بڑی فراخی سے کام لیتے ہیں حتیٰ کہ خبر واحد کے راوی اگرچہ ثقہ و ضابطہ نہ ہوں لیکن اگر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جاتی ہے۔ تو اسے قابل عمل سمجھتے ہیں۔ امام شافعی کے نزدیک امام مالک کی طرح حدیث کی تائید کے لئے تعامل ضروری نہیں ہے اور نہ ہی اہل عراق کی طرح وہ خبر واحد کے مشہور ہونے کی شرط لگاتے ہیں۔ اس کے بعد اجماع پر عمل کرتے ہیں۔ مگر اجماع بایں معنی کہ اس کے خلاف کا علم بالکل نہ ہو۔ کیونکہ ان کے نزدیک کلی اجماع کا علم غیر ممکن ہے۔ اس کے بعد قیاس پر عمل کرتے ہیں مگر اس شرط کے ساتھ کہ اس کی تائید کتاب و سنت سے ہوتی ہو۔

امام احمد بن حنبل کتاب اللہ کے بعد سنت رسول اللہ کو حجت مانتے ہیں۔ اس سلسلہ میں خبر واحد کی سند صحیح ہونے کی شرط پر اس پر عمل کرتے ہیں۔ اقوال صحابہ کو قیاس پر مقدم مانتے ہیں۔ جب تک کسی مسئلہ میں کسی صحابی کا کوئی ملتا ہے

اس میں قیاس سے کام نہیں لیتے۔

امام ابوحنیفہ کے بعض مسائل خلاف قیاس ہوتے ہیں۔ایسے مسائل کی تخریج کا نام فقہائے احناف کے نزدیک "استحسان" ہے۔ امام مالک بھی بعض مسائل کو مرسلہ کے طور پر مستنبط کرتے ہیں۔اس طریقۂ استنباط واستدلال کا نام "استصلاح" ہے۔امام شافعی استحسان اور استصلاح کی شدت سے مخالفت کرتے ہیں۔لیکن ان ہی طریقوں کے مشابہ طریقہ پر بعض اوقات عمل کرتے ہیں جس کا نام "استدلال" ہے۔

فتنوں کا سدّباب فقہ اسلامی کی تدریجی تدوین واشاعت کے بارے میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں اختصار کے ساتھ نہایت جامعہ تبصرہ کیا ہے۔ہم یہاں اس کا خلاصہ پیش کرتے ہیں۔چوتھی صدی سے پہلے عام مسلمان کسی خاص مذہب کی تقلید پر مجتمع نہیں تھے۔بلکہ جیسا کہ شیخ ابوطالب مکیؒ نے قوت القلوبؒ میں لکھا ہے۔یہ فقہی کتابیں اور فتووں کے مجموعے بعد کی پیداوار ہیں۔کسی خاص شخص کی آراء و مقالات کا قائل ہونا کسی خاص مسلک پر فتویٰ دینا اس کے قول کے مطابق تفقہ پہلی اور دوسری صدی میں نہیں تھا۔اس زمانہ میں عام مسلمان اس طریقہ کے پابند نہیں تھے۔میں کہتا ہوں کہ دو صدیوں کے بعد لوگوں میں کچھ کچھ اثرات ظاہر ہوئے۔اس کے باوجود چوتھی صدی تک جیسا کہ تحقیق سے معلوم ہوتا ہے۔لوگ کسی خاص مذہب کی تقلید نہیں کرتے تھے بلکہ علماء اور عوام کا حال یہ تھا کہ اجتماعی مسائل غیر عیہ میں صرف صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتے تھے۔اس بارے میں عام مسلمان اور جمہور مجتہدین میں کوئی اختلاف نہیں تھا۔البتہ وضو غسل۔نماز اور زکوٰۃ وغیرہ کے طریقوں کو اپنے آباؤ اجداد سے یا اپنے شہر کے معلمین سے سیکھتے تھے۔اور فروعات میں ان کے طریقوں کو اختیار کرتے تھے۔اور جب نئے مسائل وحوادث پیش آتے تو بلاتعین حنفی۔مالکی۔شافعی اور حنبلی وغیرہ جس مفتی وفقیہ کو پا جاتے مسئلہ دریافت کر لیتے یہ تو عام مسلمانوں کا حال تھا کہ ان میں سے محدثین صرف احادیث رسول اللہ اور آثار صحابہ کو لیتے تھے۔تعارض یا کسی وجہ سے احادیث وآثار پر عمل نہ کر سکتے تھے۔تو بعض متقدمین فقہا کے کلام کو لیتے۔اگر کسی مسئلہ میں دو اقوال ہوتے تو ان میں سے قوی تر قول کو لے لیتے۔یہ خیال نہ کرتے کہ یہ فقیہ اہل مدینہ ہے یا اہل کوفہ میں سے ہے۔اور خواص میں جو لوگ اہل تخریج تھے وہ جس مسئلہ میں تصریح نہ پاتے خود ہی تخریج اور اجتہاد کر لیتے تھے۔یہ حضرات اپنے شیوخ واساتذہ کی طرف منسوب ہوتے تھے۔ان میں سے کسی کو شافعی اور کسی کو حنفی کہا جاتا تھا۔

اسی طرح محدثین بھی اگر کسی متقدم امام کی موافقت کرتے تھے تو اس کی طرف منسوب ہوتے تھے جیسے نسائی اور بیہقی امام شافعیؒ کی طرف منسوب ہوتے تھے۔اس زمانہ میں مجتہد حضرات فقیہ مانے جاتے تھے اور وہی قضاء اور افتاء کے منصب پر رکھے جاتے تھے۔بعد میں دوسرے لوگ پیدا ہوئے جو دین کی راہ مستقیم سے دور ہونے لگے اور دین کی روح سے دوری کی وجہ سے طرح طرح کی خرابیوں میں پھنسنے لگے۔ان حالات میں مسلمانوں نے خاص خاص

مسلک کی تقلید کرلی۔ اور مزید فتنوں میں مبتلا ہونے کے مقابلہ میں کسی ایک مذہب کو پکڑ لینا بہتر جانا۔

مذاہب اربعہ کی اشاعت | گذشتہ بیان سے فقہ اسلامی کی مختصر تاریخ گذر چکی جس سے اس کا منظر اور پس منظر سامنے آگیا۔ اب ہم چاروں فقہوں کی ترویج و اشاعت کا حال اختصار کے ساتھ بیان کرتے ہیں جس سے معلوم ہوگا کہ پورے عالم اسلام میں ان کی مقبولیت و اشاعت کس حالت میں ہوئی۔ اور کس ملک میں کون فقہی مسلک کب اور کس طرح پھیلا۔ اور موجودہ دور میں ان کے ماننے والے کہاں کہاں پائے جاتے ہیں۔

حنفی مسلک | اہل سنّت کا یہ پہلا فقہی مسلک امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابتؒ متوفی ۱۵۰ھ کی طرف منسوب ہے۔ یہ مسلک فقہ کے چاروں مسلکوں میں سب سے مقدم ہے۔ اس کی نشو و نما کوفہ میں ہوئی۔ ابتداءً عراق کے شہروں میں پھیلا۔ بعد ازاں دنیا کے دور دراز ملکوں میں اس کی اشاعت ہوئی۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں بغداد مصر۔ شام۔ روم۔ بلخ۔ بخارا۔ فرغانہ۔ فارس۔ ہندوستان۔ سندھ اور یمن وغیرہ کے اطراف و حدود میں پھیل گیا امام صاحب کی حیات ہی میں فقہ حنفی کو ان کے چالیس شاگردوں نے باقاعدہ مدوّن و مرتب کیا۔ جن میں امام ابو یوسف امام محمد۔ اور امام زفر بھی شامل تھے۔ نیز امام صاحب کے شاگردوں میں اسد بن عمرؒ نے خاص طور سے آپ کی تصانیف و فتاوے کو دنیا میں پھیلایا۔

کہا جاتا ہے کہ ۱۷۰ھ میں جب خلیفہ ہارون رشید نے قاضی ابو یوسف کو پوری خلافت اسلامیہ کا قاضی القضاۃ بنایا تو ان کے اثر و رسوخ سے مذہب حنفی حدود خلافت میں خوب پھیلا۔ اور عباسی دور میں یہ مذہب دوسرے فقہی مذاہب پر غالب رہا۔ براعظم افریقہ یعنی طرابلس۔ تیونس اور الجزائر وغیرہ میں امام ابو محمد عبداللہ بن فروخ فاسیؒ کی وجہ سے مسلک حنفی کی خوب اشاعت ہوئی۔ اس کے بعد جب اسد بن فرات بن سنانؒ وہاں قاضی ہوئے تو اس مسلک کو خوب فروغ ہوا۔ اور چوتھی صدی تک افریقہ میں اس کو غلبہ حاصل رہا۔ جب ۴۳۵ھ میں وہاں معز بن بادیس کی سلطنت قائم ہوئی تو اس نے مالکی فقہ کو رائج کیا۔ اندلس اور فاس میں بھی حنفی مسلک قدیم زمانہ میں رائج ہوگیا تھا۔ جزیرہ صقلیہ کے اکثر مسلمان فقہ حنفی کے پیرو تھے۔

اہل مصر ۱۶۴ھ میں اس مسلک سے اس وقت آشنا ہوئے جب خلیفہ مہدی کی طرف سے امام اسمٰعیل بن یسع کوفی کو وہاں قاضی بنا کر بھیجا گیا۔ ان کی ذات سے پہلی بار مصر کے مسلمان حنفی مسلک سے واقف ہوئے۔

چوتھی صدی کے مشہور جغرافیہ نویس اور سیاح علامہ مقدسی بشاری حنفی نے احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم میں اس دور کے عالم اسلام کے مذاہب پر خاص طور سے روشنی ڈالی ہے۔ اور ہر اقلیم پر کلام کرتے ہوئے وہاں کے فقہی مسلک کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس سے معلوم ہے کہ اس زمانہ میں یمن اور صنعا میں حنفی مسلک عام تھا۔ عراق کے اکثر قاضی اور فقیہ حنفی تھے۔ شام کا کوئی شہر اور دیہات ایسا نہ تھا جن میں حنفی مسلک کے

لوگ نہ ہوں۔ بسا اوقات شام کے قاضی بھی حنفی ہوا کرتے تھے۔ اسی طرح بلادِ مشرق مثلاً خراسان۔ سجستان اور ماوراء النہر کے علاقے ترکستان شرقی اور ترکستان غربی وغیرہ میں حنفیت غالب تھی۔ اقلیم دیلم میں جرجان اور طبرستان کے بعض نواحی میں حنفی باشندے تھے۔ اقلیم رحاب کے شہر مثلاً آرمینیہ اور تبریز میں حنفیت کا کافی زور تھا۔ اقلیم جبال اور اہواز کے شہروں میں حنفیت غالب تھی۔ ان علاقوں میں احناف کے علماء و فقہا اور قضاۃ تھے۔ فارس کے شہروں میں بڑی تعداد میں حنفی موجود تھے۔ سندھ کے قصبات اور شہر حنفی علماء و فقہا سے معمور تھے ہندوستان کے اکثر سلاطین اور عوام حنفی تھے۔

<u>مالکی مسلک</u> | اہل سنت کا دوسرا فقہی مسلک مالکی ہے جو امام مالک بن انس اصبحی متوفی ۱۷۹ھ کی طرف منسوب ہے۔ اس کا مولد و منشا مدینہ منورہ ہے۔ یہاں سے پورے حجاز میں پھیلا۔ پھر بصرہ۔ مصر۔ افریقہ۔ اندلس مغرب اقصیٰ۔ صقلیہ اور سوڈان میں اسے غلبہ حاصل ہوا۔ نیز یہ مسلک خراسان۔ قزوین۔ ابہر۔ یمن۔ نیشاپور۔ بلاد فارس اور بلاد شام میں خوب پھولا پھلا۔

علامہ مقریزی نے کتاب الخطط والآثار میں لکھا ہے کہ مالکی مذہب کو مصر میں سب سے پہلے روشناس کرانے والے امام عبدالرحیم بن خالد بن یزید بن یحییٰ ہیں۔ ان کے بعد امام عبدالرحمٰن بن قاسم نے اس کی اشاعت کی۔ چونکہ مصر میں امام مالک کے تلامذہ رہتے تھے اس لئے وہاں فقہ مالکی کو خوب مقبولیت و شہرت ملی۔ نیز عثمان بن حکم نے اس کی اشاعت میں خوب حصہ لیا۔

جب معز بن بادیس نے سلطنت قائم کی تو بلاد مغرب کے بڑے بڑے ارباب حکومت اور اہل اقتدار کو مالکی مسلک کا پیروکار بنایا جس سے اس کو مغرب میں خوب غلبہ حاصل ہوا۔ علامہ تقی الدین فاسی مکی متوفی ۸۳۲ھ نے العقد الثمین میں لکھا ہے کہ اس زمانہ میں اکثر اہل مغرب مالکیہ ہیں۔ اندلس میں ابتداءً امام اوزاعی کا فقہی مسلک رائج تھا۔ اس کو سب سے پہلے صعصعہ بن سلام نے اندلس میں داخل کیا۔ لیکن دوسری صدی کے بعد یہ مسلک وہاں سے ختم ہو گیا۔ اور اس کی جگہ فقہ مالکی نے لے لی۔ جب امام مالک کے تلامذہ زیاد بن عبدالرحمٰن۔ غازی بن قیس۔ یحییٰ بن یحییٰ۔ قرعوس وغیرہ مدینہ منورہ سے اندلس واپس آئے تو انہوں نے اوزاعی مسلک کی جگہ مالکی مسلک کی نشر و اشاعت کی۔ نیز امیر ہشام بن عبدالرحمٰن نے لوگوں کو اس مسلک کی پیروی کا حکم دیا۔ امام یحییٰ بن یحییٰ بن کثیر کی مساعی نے بھی اندلس میں اس کی ترویج کی۔ امام یحییٰ بن یحییٰ کو خلیفہ ہشام بن عبدالرحمٰن بڑی عزت و احترام سے دیکھتا تھا۔ اور اندلس میں عہدۂ قضا کے لئے وہ جس عالم کی نشاندہی کرتے اسی کو قاضی بناتا تھا۔ نیز دوسرے سرکاری عہدوں پر ان کے مشورہ سے مالکی مذہب کے پیرو ہی فائض ہوا کرتے تھے۔ ان وجوہ سے اندلس میں فقہ مالکی کی خوب اشاعت ہوئی۔

علامہ مقدسی بشاری نے احسن التقاسیم میں لکھا ہے کہ چوتھی صدی میں مالکی مذہب عراق۔ اہواز۔ بلادِ مغرب

افریقہ میں خوب مروج تھا۔ اور اندلس پر تو اس کا غلبہ تھا ہی۔

مسلک شافعی | اہل سنت کا تیسرا فقہی مسلک شافعی ہے۔ اس کی نسبت امام محمد بن ادریس شافعیؒ متوفی ۲۰۴ھ کی طرف ہے۔ اس کی ابتدا مصر میں ہوئی۔ امام شافعی کے اکثر تلامذہ مصری ہیں۔ اس کے بعد عراق میں اسے فروغ ہوا۔ اور تیسری صدی میں حجاز۔ بغداد۔ خراسان۔ توران۔ شام۔ یمن۔ ماوراء النہر۔ فارس۔ ہندوستان افریقہ اور اندلس تک پہنچ گیا۔ ان تمام مقامات میں کہیں شافعی مسلک کو غلبہ ہوا اور کہیں دوسرے مذاہب کے ساتھ اس کا بھی رواج رہا۔ مصر میں پہلے حنفیہ اور مالکیہ کا غلبہ تھا۔ مگر امام شافعی وہاں تشریف لے گئے تو ان کا مسلک خوب پھیلا۔ عراق۔ خراسان اور ماوراء النہر وغیرہ میں یہ مسلک یوں آگے بڑھا کہ افتاء اور تدریس میں حنفیہ کے ساتھ برابر ٹکر لی اور دونوں میں بڑے بڑے مناظرے اور معرکے ہوتے ایک نے دوسرے کی رد میں بے شمار چھوٹی بڑی کتابیں لکھیں۔ شام میں پہلے وہیں کی فقہ اوزاعی کا رواج تھا۔ لیکن جب امام ابو زرعہ محمد بن عثمان دمشقی مصر کی قضاء کے بعد دمشق کے قاضی بنائے گئے تو وہ اپنے ساتھ امام شافعی کا مسلک بھی لے گئے۔ اور اس کو پھیلایا اس کے بعد دمشق کے دوسرے قضاۃ نے بھی اسی مسلک کی پیروی کی۔ قاضی ابو زرعہ دمشقی کا قاعدہ تھا کہ جو عالم فقہ شافعی کی مشہور کتاب "المختصر للمزنی" کو زبانی یاد کر لیتا اسے ایک دینار انعام دیتے۔ علامہ مقدسی نے لکھا ہے کہ چوتھی صدی میں اہل شام فقہ شافعی پر عمل کرتے تھے۔ وہاں کوئی شخص مالکی یا کسی اور مسلک کا نظر نہیں آتا تھا۔

علامہ سبکیؒ نے "طبقات الشافعیۃ الکبریٰ" میں لکھا ہے کہ ماوراء النہر میں محمد بن اسمٰعیل قفال مروزی شاشیؒ کی بدولت شافعی مسلک پھیلا۔ مقدسی کے بیان کے مطابق اقلیم مشرق کے بڑے بڑے شہروں مثلاً کور شاش۔ ایلاق طوس۔ ابی ورد۔ اور فسا وغیرہ میں شافعی مذہب غالب تھا۔ نیز ہرات۔ سجستان۔ سرخس۔ نیشاپور اور مرو میں یہ مسلک پایا جاتا تھا۔ امام سخاویؒ نے "الاعلان بالتوبیخ" میں لکھا ہے کہ مرو اور خراسان میں احمد بن سیار نے شافعی مذہب کو عام کیا۔ ان کے بعد حافظ عبدان بن محمد ابن عیسیٰ مروزی نے اس کی اشاعت کی۔ اور اسفرائن میں امام شافعی کے مسلک اور ان کی کتابوں کو سب سے پہلے ابو عوانہ یعقوب بن اسحاق نیشاپوری نے داخل کیا۔

بغداد میں فقہ حنفی کا غلبہ تھا پھر امام شافعی نے وہاں جا کر اپنے مسلک کی ترویج فرمائی۔ امام صاحب کے قدیم شاگرد حسن بن محمد زعفرانیؒ متوفی ۲۶۰ھ نے بھی بغداد میں اس مسلک کو پھیلایا۔ علامہ سبکیؒ نے طبقات الشافعیۃ الکبریٰ میں بیان کیا ہے کہ عرب کے صوبہ تہامہ میں خاندان ابی عقامہ کے ذریعہ یہ مسلک رائج ہوا۔ اندلس میں مالکی مذہب کے علاوہ اور کوئی مذہب رائج نہیں تھا حتیٰ کہ وہاں کے لوگ کسی حنفی یا شافعی کو پاتے تو نکال دیتے تھے۔ علامہ ابن اثیر کے بیان کے مطابق افریقہ سلطان یعقوب بن یوسف بن عبدالمومن نے اپنے آخری دور حکومت میں شافعیت کی میلان ظاہر کیا اور شوافع کو قاضی بنایا۔

حنبلی مسلک | اس مسلک کی نسبت امام احمد بن محمد بن حنبل شیبانیؒ متوفی ۲۴۱ھ کی طرف ہے اس کا مرکز بغداد ہے۔ یہ اہلسنت کا چوتھا فقہی مسلک ہے۔ اس کی اشاعت پہلے کے مسلکوں سے کم ہوئی۔ ابن خلدون نے مقدمہ میں اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ حنبلی فقہ اجتہاد سے بعید ہے۔ اور اس کا مدار زیادہ تر احادیث و اخبار پر ہے۔ اکثر حنابلہ شام اور عراق کی حدود میں ہیں۔ اور یہ لوگ احادیث وسنن کی روایت میں سب سے آگے ہیں۔ علامہ ابن فرحون نے لکھا ہے کہ امام احمد کا مذہب بغداد سے نکل کر شام کے اکثر شہروں میں پھیلا۔ اور مصر میں ساتویں صدی کے بعد ظاہر ہوا۔ امام سیوطی نے لکھا ہے کہ حنبلی مسلک چوتھی صدی میں بغداد اور عراق کی حدود سے باہر آیا۔ جب کہ مصر و افریقہ پر عبیدیوں کا قبضہ تھا۔ یہ باطنی اسمٰعیلی شیعہ تھے۔ انہوں نے اپنے دور اقتدار میں علمائے اہل سنت کو قتل و غارت اور جلاوطنی کے ذریعہ اپنی پوری حدود سلطنت سے ختم کر دیا تھا۔ اور رفض و تشیعیت کو رواج دیا۔ امام عبدالغنی مقدسی صاحب العمدہ نے سب سے پہلے مصر میں حنبلی مسلک کو پہنچایا اور اس کی ترویج کی۔ مقدسی بشاری نے لکھا ہے کہ چوتھی صدی میں یہ مذہب بصرہ، اقور، ویلم، رحاب، سوس، اور خوزستان وغیرہ میں موجود تھا۔ اس زمانہ میں بغداد پر حنبلیت اور تشیعیت کو غلبہ حاصل تھا۔

علامہ ابن اثیر نے تاریخ الکامل میں ۳۲۳ھ کے واقعات میں لکھا ہے کہ:-

اس زمانہ میں بغداد میں حنابلہ کو بڑی شوکت حاصل ہوئی۔ یہ لوگ امراء کے مکانات پر دھاوا بول کر نبیذ وغیرہ پاتے تو گرا دیتے۔ مغنیہ کو پاتے تو مارتے اور باجے اور دیگر سامان لہو ولعب توڑ کر پھینک دیتے اور منکرات پر اتنی شدت اختیار کرتے کہ اہل بغداد پریشان ہو گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پورے شہر بغداد میں اعلان ہو گیا کہ دو حنبلی ایک جگہ جمع نہ ہوں۔ اور نہ اپنے مسلک کے بارے میں گفتگو کریں۔ حنبلی مذہب کا کامل غلبہ بلاد نجد کے علاوہ اور کہیں سننے میں نہیں آیا۔ فتنۂ خلق قرآن میں امام احمد کے ابتلاء اور عباسی خلفاء و امراء اور معتزلہ کی مخالفانہ سرگرمی سے اس مسلک کی راہ میں رکاوٹ ہوئی۔

موجودہ زمانہ میں مذاہب اربعہ کے پیرو | موجودہ زمانہ میں ان چاروں مذاہب کے ماننے والے کہاں کتنے ہیں اس کا صحیح اندازہ نہیں ہے۔ البتہ مغرب اقصٰی، تیونس، طرابلس، الجزائر اور کئی افریقی ممالک میں مالکی مسلک رائج ہے۔ صعید اور سوڈان میں مالکیہ ہیں۔ احناف بھی بکثرت ہیں۔ حکومت کا مذہب حنفی ہے۔ اور کچھ لوگ حنبلی مسلک سے تعلق رکھنے والے بھی ہیں۔

شام کے مسلمان آدھے حنفی، ایک چوتھائی شافعی اور ایک چوتھائی حنبلی ہیں۔ فلسطین میں شوافع کا غلبہ ہے۔ مالکی اور حنفی بھی ہیں۔ عراق میں حنفی مسلک کو عروج ہے۔ شافعی، مالکی اور حنبلی بھی ہیں۔ ترکی، البانیہ اور بلقان میں احناف کو غلبہ حاصل ہے۔ کردستان اور آرمینیہ پر شوافع کا اثر و رسوخ ہے۔ فارس کے اہلسنت میں شوافع زیادہ ہیں۔

کچھ احناف بھی ہیں۔ افغانستان میں حنفی غالب ہیں۔ کچھ شافعی اور حنبلی بھی ہیں۔ ترکستانات غربی جس میں خیوہ (خوارزم) بخارا، تاشقند، ازبکستان، ترکمانیہ، قرغیزیہ، قزاقستان، آذربائیجان وغیرہ شامل ہیں۔ ان میں حنفی ہیں اور ترکستانات شرقی (سنکیانگ) میں بھی حنفی ہیں۔ ساتھ ہی کچھ شافعی ہیں۔ بلاد قوقاز میں احناف کو غلبہ حاصل ہے۔ کچھ شوافع بھی ہیں۔ ہندوستان میں قدیم زمانہ میں شوافع زیادہ تھے۔ سندھ میں ان کی اکثریت تھی۔ مغربی سواحل پر قدیم زمانہ سے عربی النسل مسلمان آباد تھے۔ ان کا مسلک شافعی تھا۔ کوکن، مدراس اور مالابار میں اب بھی شوافع بکثرت آباد ہیں۔ اس زمانہ میں ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش میں حنفی مسلک رائج ہے۔ جزیرہ مالدیپ کے ۹۳ ہزار مسلمان سب کے سب شافعی ہیں۔ پہلے یہاں مالکی مذہب تھا۔ سیلون (سری لنکا) جاوا، سماٹرا، جزائر شرق الہند اور جزائر فلپائن میں شوافع زیادہ ہیں۔ سیام (تھائی لینڈ) کے مسلمان زیادہ تر شافعی ہیں۔ امریکہ کے علاقہ برازیل میں ۴۵ ہزار حنفی مسلمان آباد ہیں۔ نیز امریکہ کے دوسرے علاقوں میں تقریباً ایک لاکھ ۴۰ ہزار مسلمان ہیں۔ جو مختلف مسلک کے پیرو ہیں۔

حجاز میں شافعی اور حنبلی غالب ہیں۔ دیہاتوں میں احناف کے ساتھ مالکیہ بھی ہیں۔ اہل نجد حنبلی ہیں۔ اہل عسیر شافعی، نیز یمن، حضرموت اور عدن کے اہلسنت شافعی ہیں۔ عدن میں احناف بھی ہیں۔ عمان پر فرقہ اباضیہ (خوارج) کا غلبہ ہے۔ اسی کے ساتھ وہاں حنبلی اور شافعی بھی ہیں۔ قطر اور بحرین میں مالکی مسلک عام ہے اسی کے ساتھ وہاں نجد کے حنابلہ بھی ہیں۔ احساء کے اہلسنت میں حنبلی اور مالکی غالب ہیں۔ کویت پر مالکیہ کا اثر ہے۔

موجودہ دور میں مذاہب اربعہ کے بارے میں یہ معلومات تقریباً ۵۰ سال پہلے سے تعلق رکھتی ہیں اس کے بعد یورپ، امریکہ اور افریقہ میں مسلمانوں کی بڑی تعداد وجود میں آگئی ہے جو مختلف مکاتب فقہ سے تعلق رکھتی ہے

سروس
سروس شوز